حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات

(۲)

سید جلال الدین عمری

اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے، ان کے ساتھ معاشی اور سماجی تعلقات کو جائز قرار دیا ہے، مختلف امور و مسائل میں ان سے تعاون کو روا رکھا ہے تو پھر شادی بیاہ کے معاملہ میں اس سخت رویہ کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ کیا یہ اس کی مجموعی تعلیمات سے متضاد طرز عمل نہیں ہے؟ کیا اس سے تعصب، عناد اور دوری نہ پیدا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض خام خیالی ہے کہ بین الملّی یا بین المذاہب شادیاں تہذیبی قربت کا ذریعہ ہیں۔ اس طرح کے سطحی اقدامات سے قربت نہیں پیدا ہوتی، اس کے لیے ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اسلام کا موقف معقول اور مدلّل بھی ہے اور عملی بھی۔ اسے سمجھنے کے لیے بعض بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ازدواجی زندگی میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ فضا وقتی اور ہنگامی طور پر نہیں بلکہ مستقل اور پائیدار ہونی چاہئے تاکہ وہ مل جل کر گھر اور خاندان کی بہتر تعمیر کر سکیں اور اسے صحیح رخ دے سکیں۔

بعض اوقات کسی ہنگامی محرک، وقتی جوش یا جنسی جذبہ کے تحت ازدواجی رشتہ قائم ہو جاتا ہے لیکن اس میں استحکام اور پائداری نہیں ہوتی۔ اس طرح کے رشتے بالعموم تلخی اور ناکامی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مغرب اس بھیانک تجربہ سے گزر رہا ہے۔ خوشگوار ازدواجی زندگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ میاں بیوی کے مابین محبت کا مضبوط رشتہ پایا جائے اور اسے کم زور کرنے والے عوامل اور نزاع و اختلاف کو ابھارنے والے اسباب

موجود نہ ہوں، ورنہ دونوں کی زندگی نفسیاتی اور عملی الجھنوں کا شکار ہوگی اور وہ یکسوئی کے ساتھ ازدواجی زندگی کے مقاصد پورے نہ کرسکیں گے۔ دین و مذہب اور عقیدہ کا اختلاف بنیادی اختلاف ہے جو زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ اس اختلاف کو میاں بیوی کا نازک رشتہ زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرسکتا۔ دیر سویر یہ ٹوٹے گا اور اس کے ٹوٹنے سے خاندان کا پورا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ یہ کوئی معمولی نقصان نہیں بلکہ بہت بڑا نقصان ہے جو پورے معاشرہ کو اٹھانا پڑے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جن میں میاں بیوی نے مذہبی اختلاف کے باوجود خوشگوار زندگی گزاری اور ان کے تعلقات میں کوئی خرابی نہیں دیکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ رشتے ہیں جن میں طرفین میں سے کسی کا کوئی عقیدہ اور مذہب نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ایک بے جان روایت کی ہوتی ہے۔ اس سے عملاً انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جب طرفین کا ذہن مذہب اور اس کے تقاضوں سے خالی ہو تو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ جس کا کوئی عقیدہ و مذہب ہے اور اس کی صحت وصداقت پر وہ مطمئن ہے تو اس کی فطری خواہش ہوگی اور ہونی چاہیے کہ اس کا شریکِ حیات بھی اسی عقیدہ اور فکر کا حامل ہو۔ فریقین میں عقیدہ کا اختلاف خاندانی زندگی کو سکون سے محروم کرسکتا ہے۔

آئیے اس مسئلہ پر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے بھی غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سے کیا الجھنیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اس کے مجموعی مزاج اور اس کے اخلاقی اور قانونی تقاضوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اسی سے اس کا موقف سمجھا جاسکتا ہے۔

اسلام خاص قسم کی معاشرت وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے طہارت اور پاکی صفائی، غذا، لباس اور وضع قطع سے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ بعض چیزیں اس کے نزدیک حلال اور طیب ہیں تو بعض چیزیں حرام اور ناپاک ہیں، رشتہ داروں کے درمیان اس نے محرم اور نامحرم اور قریب اور دور کا فرق رکھا ہے اور اسی بنیاد پر ان سے شادی بیاہ، حجاب اور عدم حجاب کے احکام بیان کیے ہیں۔ اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک خوشی اور غم کے تمام مواقع کے لیے اس کی ہدایات ہیں۔ ان سب کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ خاندانی زندگی سے ہے۔ یہ قدم قدم پر عورت اور مرد کے باہم تعاون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ تہذیب اور معاشرت وجود میں نہیں آسکتی جو اسلام کو مطلوب ہے

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تعاون کے بغیر اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہوسکتے، اور نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کی بھی، جو پورے دین کی بنیادیں پابندی ممکن نہیں ہے ایمان اور عقیدہ کے اختلاف کے ساتھ اس راہ میں بھرپور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد ہو وہ 'ذریۃ طیبہ' ہو۔ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک خدا کا دین، اس سے محبت اور تعلق اور اس کی عبادت واطاعت کا جذبہ منتقل ہوتا رہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ والدین کے قلوب روحِ ایمان سے سرشار ہوں، ان کی شب و روز کی زندگی نیکی اور تقویٰ اور خداترسی کی زندگی ہو اور وہ شعوری طور پر اس بات کی کوشش کریں کہ اولاد کے اندر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور پروان چڑھے، دینی حمیت سے اس کا سینہ سرشار ہو اور وہ دین کو اپنے لیے سب سے بڑا سرمایہ سمجھنے لگے اور کسی حال میں اس سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ یہ چیز ماں باپ کی مشترکہ اور مسلسل جدوجہد چاہتی ہے۔ اختلاف دین کے ساتھ یہ مہم انجام نہیں پاسکتی۔ ماں باپ کی زندگی اولاد کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ یہ نمونہ بہتر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں کا سمتِ سفر صحیح بھی ہو اور وہ اسی پر گامزن بھی رہیں۔ ماں باپ اگر بے دین یا دین سے بے تعلق ہوں تو اولاد دیندار بن کر نہیں ابھر سکتی۔

اسلام جس ازدواجی تعلق کو صحیح نہیں تسلیم کرتا اس کی بنیاد پر حقوق اور ذمہ داریوں کا سوال بھی اس کے نزدیک بے معنی ہے۔ جب کوئی عورت اسلامی قانون کی رو سے کسی کی بیوی اور وہ اس کا شوہر نہیں ہے تو دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں از خود ختم ہوجاتی ہیں۔ عورت نہ تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے اور نہ مرد کے مطالبات کی تعمیل اس کے لیے لازمی ہوگی۔ اس تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد ہوگی وہ بھی اپنے نان ونفقہ، تعلیم و تربیت جیسے قانونی حقوق سے محروم ہوگی، ان کے درمیان قانونِ وراثت نافذ نہیں ہوگا۔ اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اس ناجائز تعلق پر عورت اور مرد دونوں پر اسلامی ریاست میں حدِ شرعی نافذ ہوگی۔

کتابیات سے نکاح کا حکم

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اسلام نے شادی بیاہ کے معاملہ میں تمام مذاہب کو ایک صف

میں رکھا ہے یا ان میں فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس معاملہ میں اہل کتاب اور غیر اہلِ کتاب کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اسی فرق کو ذیل میں کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔

سورۂ ممتحنہ کی آیات (۱۰-۱۱) میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ مسلمان مردوں کا مشرک عورتوں سے اور مشرک مردوں کا مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے جو رشتے تھے وہ ختم کر دئے گئے۔ اس حکم کا ایک خاص پس منظر تھا۔ سورۂ بقرہ میں اصولی ہدایت دی گئی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ	مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب
حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ	تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مومن لونڈی
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ	(آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى	وہ تم کو اچھی لگے اور مشرکین جب تک ایمان
يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ	نہ لے آئیں ان سے اپنی عورتوں کا نکاح
مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ	مت کرو اور مومن غلام (آزاد) مشرک
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ	سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں پسند ہی کیوں
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ	نہ آئے۔ یہ لوگ نارِ جہنم کی طرف بلاتے
الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ	ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	کی دعوت دیتا ہے اور اپنے احکام کھول
	کھول کر لوگوں کو بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت
(البقرہ: ۲۲۱)	حاصل کریں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے اور مسلمان عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں دینے سے صاف منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی مشرکہ اگر حسین وجمیل، صاحب ثروت اور اعلیٰ حسب ونسب والی ہے تو بھی اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان باندی بہتر ہے خواہ اسے ان میں سے بیشتر چیزیں حاصل نہ ہوں۔ اسی طرح ایک مشرک کے مقابلہ میں مسلمان غلام اچھا ہے چاہے مادی لحاظ سے وہ مشرک سے کم تر ہی کیوں نہ ہو۔

آیت کے آخر میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مناکحت کے عدم جواز کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ شرک اور توحید دو متضاد تصورات ہیں۔ دونوں کی راہیں جدا ہیں۔ مشرکین دین شرک کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اسلام توحید کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک شرک کا راستہ تباہی کا راستہ ہے جو جہنم تک انسان کو پہونچاتا ہے اور اسلام سے دنیا اور آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان جہاں عقیدہ کا یہ زبردست فرق پایا جائے وہاں ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میاں بیوی میں سے ایک کی زندگی مشرکانہ تصورات پر مبنی ہو اور دوسرا توحید کی راہ پر چلنا چاہے تو قدم قدم پر تصادم ہوگا اور گھر کا نظم اور سکون باقی نہیں رہ سکے گا۔

مشرکین سے ازدواجی تعلقات سے منع کرنے کے ساتھ اس نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔

.... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ	(تمہارے لیے حلال ہیں) اہل ایمان میں
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ	کی پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ	پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب
اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	دی گئی، جب کہ تم انھیں ان کے مہر ادا
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا	کرو، انھیں قید نکاح میں لاؤ، بدکاری
مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ	نہ کرو اور چوری چھپے دوستی نہ کرو۔ (یاد رکھو)
يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ	جو شخص ایمان کا انکار کر دے اس کا عمل
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝	رائیگاں گیا اور وہ آخرت میں نقصان
(المائدہ: ۵)	اٹھانے والا ہوگا۔[1]

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح شریف مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح شریف کتابیہ سے بھی نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب مشرکین کے زمرے میں نہیں آتے، کیا ان کے اندر کسی نہ کسی نوعیت کا شرک نہیں پایا جاتا، یا یہ کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں؟ اگر ان میں بھی شرک ہے تو کیا

---

[1] محصنات کا ترجمہ بالعموم پاک دامن عورتیں کیا گیا ہے۔ اس کے معنی آزاد عورتوں کے بھی لیے گئے ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس کے باوجود سورۂ بقرہ کے عام حکم سے سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے؟ یا یہ کہ سورۂ بقرہ کا حکم باقی ہے اور سورۂ مائدہ کی آیت منسوخ ہے؟ ذیل میں ان سوالات سے کسی قدر تفصیل سے بحث کی کوشش کی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے سورۂ بقرہ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت کی گئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت کے ذریعہ اہل کتاب کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔[1]

یہی بات حضرت عکرمہ اور حضرت حسن بصری نے کہی ہے کہ پہلے سورۂ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس میں مشرکات سے نکاح سے منع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیت کے ذریعہ کتابیات کی حد تک یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔[2]

مجاہد کہتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں مکہ کی مشرکات اور ان کے علاوہ دیگر تمام مشرکات سے نکاح سے منع کیا گیا تھا پھر سورۂ مائدہ کی آیت کے ذریعہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز کیا گیا۔[3]

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں جن مشرکات سے نکاح سے منع کیا گیا ہے اس سے بت پرست مشرکات مراد ہیں۔[4]

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مشرکات عرب مراد ہیں جن کے پاس اللہ کی کوئی کتاب جسے وہ پڑھیں، نہیں تھی۔

ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے وہ مشرکات مراد ہیں جو اہل کتاب نہیں ہیں۔[5]

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت قتادہ کی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں جن مشرکات کا ذکر ہے اس میں اہل کتاب کی عورتیں شامل نہیں ہیں۔ ان سے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔[6]

ان دونوں آیات کے ذیل میں ناسخ و منسوخ یا اہل کتاب کے استثنیٰ وغیرہ کی جو بحث ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں بت پرست مشرکات سے نکاح سے منع کیا گیا ہے

---

[1] طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۴/۳۶۲ [2] حوالہ سابق ص۳۶۳ [3] حوالہ سابق
[4] حوالۂ سابق ص۳۶۲ [5] حوالہ سابق ص۳۶۳-۳۶۴ [6] حوالہ سابق ص۳۶۵

اور سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے گو کہ ان میں بھی شرک داخل ہو گیا تھا۔

علامہ ابن جریر طبری نے اس سلسلہ میں ایک مرفوع حدیث بھی حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نتزوج نساء اهل الكتاب	ہم اہل کتاب کی عورتوں سے شادی
ولا يتزوجون نساءنا۔[1]	کریں گے لیکن انھیں ہماری عورتوں سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی۔

پوری بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

ولا تنكحوا ايها المومنون	اے ایمان والو! مشرک عورتوں سے
مشركات غير اهل كتاب	نکاح نہ کرو سوائے اہل کتاب کی عورتوں کے،
حتىٰ يؤمن فيصدقن بالله	جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر اور
ورسوله وما انزل عليه[2]	جو کچھ رسول پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان نہ لے آئیں۔

ان دلائل کی بنا پر جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح جائز ہے بلکہ بعض اصحاب علم نے تو لکھا ہے کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحابؓ میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ خلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہ، حضرت طلحہؓ، جارود بن المعلیٰ اور اذینۃ العبدیؒ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا ہے یہی بات تمام اہل علم نے کہی ہے۔ البتہ شیعہ میں فرقہ امامیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ ممتحنہ کی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔[3]

---

[1] اس حدیث میں کسی قدر ضعف ہے لیکن قابل احتجاج ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ سابق ص ٣٦٦ حاشیہ ٢ [2] حوالہ سابق
[3] ابن قدامہ، المغنی ج ٦/ ٥٨٩ - ٥٩٠

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے کتابیات سے نکاح کا جواز ثابت ہے۔ کسی نے نہیں کہا کہ یہ حرام ہے۔

ولا نعلم عن احد من الصحابة والتابعين تحريم نكاحهن [1]	ہمارے علم میں نہیں ہے کہ صحابہ وتابعین میں سے کسی نے بھی ان سے نکاح کو حرام قرار دیا ہو۔

مزید لکھتے ہیں حضرت عثمانؓ نے نائلہ بنت الفرافصہ سے شادی کی۔ یہ نصرانی تھیں، طلحہ بن عبیداللہ نے شام کی ایک یہودی خاتون سے عقد کیا تھا۔ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا۔

ولو كان ذلك محرما عند الصحابة لظهر منهم نكير او خلاف وفي ذلك دليل على اتفاقهم على جوازه [2]	اگر یہ اقدام صحابہ کے نزدیک حرام ہوتا تو وہ اس پر ضرور نکیر کرتے یا اختلاف کرتے (چونکہ صحابہ کرام کی طرف سے اس طرح کی بات سامنے نہیں آئی) اس لیے یہ اس کے جواز پر ان سب کے اتفاق کی دلیل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

ومما يدل على جواز ذلك ماروى ان الصحابة كانوا يتزوجون بالكتابيات وما ظهر عن احد منهم انكار على ذلك فكان هذا اجماعا على الجواز [3]	اس کے جواز پر وہ روایات دلالت کرتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کتابیات سے نکاح کرتے تھے۔ کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اس کے جواز پر ان کا اجماع ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک وہ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۱/۳۹۳

[2] حوالہ سابق۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن الہمام، فتح القدیر: ۲/۳۷۲۔۳۷۳

[3] رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۲/۲۳۸

جب ان سے یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے۔

ان اللّٰہ حرم المشرکات	اللہ تعالیٰ نے مشرکات کو مومنین کے
علی المومنین ولا اعلم من	لیے حرام ٹھہرایا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس
الاشراک شیئا اکبر من ان	سے بڑا شرک کوئی اور ہو سکتا ہے کہ عورت
تقول المرأۃ ربھا عیسیٰ وھو	کہے کہ عیسیٰؑ اس کے رب ہیں۔ حالانکہ وہ
عبد من عباد اللّٰہ[1]	اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔

جن لوگوں نے کتابیات سے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے، امام ابن تیمیہ نے ان کے دلائل کا بہت عمدہ تجزیہ کیا ہے اور اس کی کمزوری واضح کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

جمہور سلف وخلف کے نزدیک، جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، سورۂ مائدہ کی آیت کی بنیاد پر کتابیات سے نکاح جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ آج کل کے بعض اہل بدعت بھی اسی خیال کے حامل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل سورۂ بقرہ اور سورۂ ممتحنہ کی آیات ہیں۔

سورۂ بقرہ کی آیت سے ان حضرات کے استدلال کے تین جواب دئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مشرکین کے زمرہ میں اہل کتاب نہیں آتے۔ قرآن مجید نے دونوں میں فرق کیا ہے اور ان کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اس ذیل کی ایک آیت یہ ہے۔

ان الذین اٰمنوا والذین	جو لوگ ایمان لائے اور یہودی ہوئے
ھادوا والصابئین والنصاریٰ	اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جن لوگوں
والمجوس والذین اشرکوا ان	نے شرک کیا ان سب کے درمیان اللہ
اللّٰہ یفصل بینھم یوم القیامۃ	قیامت کے روز فیصلہ کردے گا، ہر چیز
ان اللّٰہ علی کل شیء شھید۔ (الحج: ۱۷)	اللہ کی نظر میں ہے۔

اس طرح کی اور بھی آیات ہیں جن سے یہ فرق نمایاں ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید

---

[1] بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ ولا تنکحوا المشرکات۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ تابعین میں محمد بن الحنفیہ اور شیعوں میں فرقہ زیدیہ کے امام ہادی نے بھی کتابیات سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۲/۲۳۸۔ نیز ملاحظہ ہو۔ آلوسی، روح المعانی جزء ۲ ص ۱۱۸۔ جزء ۶ ص ۶۶

نے اہل کتاب کو شرک میں ملوث قرار دیا ہے، ان کے شرک پر تنقید اور اس کی تردید کی ہے، اس لیے ان کا شمار بھی مشرکین ہی کی صف میں ہوگا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اہل کتاب کے اصل دین میں شرک نہیں ہے۔ نبوت اور رسالت پر ان کا ایمان ہے۔ وہ انبیاء کو مانتے ہیں اور انبیاء سارے کے سارے توحید کے علم بردار تھے یہی ان کی تعلیم تھی، اسی کی انھوں نے دعوت دی۔ نصاریٰ کو شرک سے اس لیے متصف قرار دیا گیا کہ انھوں نے اپنے اصل دین میں اسے داخل کیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بہت سی گم راہیوں میں مبتلا ہوگئی۔ ان کا آپ کے لائے ہوئے دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کے شرک کا بھی ان کے اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے انھیں 'مشرک' نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ وہ شرک کر رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کے لیے جملہ اسمیہ استعمال نہیں کیا بلکہ جملہ فعلیہ استعمال کیا۔ سورۂ بقرہ کی جو آیت زیر بحث ہے اس میں 'المشرکین' اور 'المشرکات' کے الفاظ ہیں جو اسماء ہیں۔ ان کا اطلاق ایک مخصوص گروہ پر ہوتا ہے جس میں اہل کتاب نہیں آتے[1]

۲۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ 'مشرکین' میں اہل کتاب اسی وقت داخل ہوں گے جب کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر نہ ہو۔ اگر مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا بھی ذکر ہو تو وہ ان میں نہیں آئیں گے۔ اس پہلو سے سورۂ بقرہ کی آیت میں مشرکین و مشرکات کے اندر اہل کتاب کو بھی شامل ہونا چاہیے۔ لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں اور سورۂ مائدہ کی

---

[1] قرآن مجید نے اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان جو فرق کیا ہے اور ان کو دو الگ گروہوں کی حیثیت سے جس طرح پیش کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/۶۸-۶۹، ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۵۹۰۔ بعض فقہاء نے قرآن کی روشنی میں اس فرق کو اس طرح بیان کیا ہے کہ لغت میں شرک کا تصور وسیع ہے۔ ریاکار آدمی کو بھی لغت کی رو سے مشرک کہا جا سکتا ہے لیکن شارع نے مشرک کا لفظ خاص معنی میں استعمال کیا ہے۔ اہل کتاب اس میں نہیں آتے۔ انھیں اس نے مشرک نہیں کہا ہے البتہ ان کے شرکیہ اعمال کی وجہ سے یہ کہا جائے گا وہ شرک کرتے ہیں۔ مشرک کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرے اور جس کا دعویٰ کسی نبی یا آسمانی کتاب کی اتباع کا نہ ہو۔ ابن الہمام فتح القدیر: ۲/۳۷۲

آیت خاص ہے۔ یہ فقہی قاعدہ ہے کہ خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

۳۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ سورۂ بقرہ کا نزول پہلے ہوا ہے، اس کے بعد سورۂ مائدہ نازل ہوئی ہے۔ اس لیے سورۂ بقرہ کی آیت میں اہلِ کتاب شامل بھی ہوں تو سورۂ مائدہ کی آیت اس کی ناسخ ہے۔

جہاں تک سورۂ ممتحنہ کی آیت 'ولا تمسکوا بعصم الکوافر' (کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے مت رکھو) کا تعلق ہے تو اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ اس سے مشرکات عرب مراد ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب زیرِ بحث ہی نہیں تھے[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے کو علامہ ابن تیمیہ نے جمہور کی رائے سے مختلف قرار دیا ہے۔ لیکن علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو پسند نہیں کیا۔ دوسری روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکات سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سے بڑا شرک اور کیا ہوگا کہ عورت حضرت عیسیٰؑ کو خدا سمجھے اور اس کی عبادت کرے؛ اس میں انھوں نے حرمت کا قطعی حکم دینے سے احتراز کیا ہے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ ہم جس جگہ رہتے ہیں وہاں اہلِ کتاب بھی ہمارے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں؟ تو انھوں نے تحریم و تحلیل کی دونوں آیتیں (سورۂ بقرہ اور مائدہ کی آیتیں) پڑھ دیں۔ میں نے کہا یہ آیتیں تو ہم بھی پڑھتے ہیں سوال یہ ہے کہ ان کی روشنی میں کیا اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز اور ان کا ذبیحہ حلال ہے؟ اس پر بھی وہ دونوں طرح کی آیات پڑھ کر خاموش ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کو توقف تھا۔ جہاں تک کراہت کا تعلق ہے اس سے حرمت نہیں ثابت ہوتی[2]

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی کتابیات سے نکاح کے جواز کے قائل نہ تھے۔ بعض صحابہ نے اس طرح کا اقدام کیا تو سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ترتیب عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی: ۳۲/۱۷۸-۱۸۱ نیز ملاحظہ ہو، ۴/۱۹۱-۹۳۔

[2] جصاص، احکام القرآن: ۱/۳۹۲-۳۹۳۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/۶۸

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو فرماتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنات مہاجرات کے علاوہ دوسری ہر طرح کی عورتوں سے نکاح سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ المائدہ: ۵ (جو اللہ کا انکار کرے اس کا عمل رائیگاں گیا۔) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے ایک یہودیہ سے اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے ایک نصرانیہ سے نکاح کیا تو حضرت عمرؓ بے حد خفا ہوئے اور ان کی تادیب کا ارادہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا، امیر المومنین ناخفا نہ ہوں۔ ہم انھیں طلاق دئے دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر انھیں طلاق دینا جائز ہوتا تو ان سے نکاح بھی جائز ہوتا۔ میں تو انھیں ذلت کے ساتھ تم سے جدا کروں گا۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی کتابیات سے نکاح کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی متعلقہ آیات کی جو تفسیر انھوں نے کی ہے اور جس کا حوالہ اس سے پہلے دیا جا چکا ہے، وہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے صاف طور پر اس کا جواز نکلتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے متعلق جس واقعہ کا اس میں ذکر ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے اس روایت پر دو پہلوؤں سے تنقید کی ہے۔ ایک یہ کہ کتابیات سے نکاح کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے مقابلہ میں اس روایت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔[2]

دوسرے یہ کہ یہ روایت سنداً بھی کمزور ہے۔ اس سے زیادہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرؓ سے جواز ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن وہب سے حضرت عمرؓ کا قول مروی ہے۔

المسلم يتزوج النصرانية	مسلمان نصرانی عورت سے شادی کر سکتا
ولا يتزوج النصراني المسلمة[3]	ہے لیکن نصرانی مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ اور حضرت طلحہ پر شدید غصہ کا اظہار کیا تھا تو اس کی وجہ اس رشتہ کی حرمت نہیں بلکہ یہ ہو سکتی ہے کہ لوگ ان کی تقلید

---

[1] ابن جریر، جامع البیان : ۴/ ۳۶۴ - ۳۶۵

[2] حوالہ سابق ص ۳۶۵۔ نیز ص ۳۶۷ [3] حوالہ سابق ص ۳۶۶

میں مسلمان عورتوں کی جگہ کتابیات سے نکاح نہ کرنے لگیں (ظاہر ہے اس سے مسلم معاشرہ پر برا اثر پڑے گا) چنانچہ مشہور تابعی حضرت شقیقؒ کی (صحیح سند کے ساتھ) روایت ہے کہ حضرت حذیفہ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، حضرت حذیفہ نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں میں اسے چھوڑ دوں، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

لا ازعم انها حرام	میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن مجھے ڈر
ولكن اخاف ان تعاطوا	ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے نکاح
المومسات منهن[۱]	نہ کرنے لگو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کے تو قائل تھے کہ کتابیات سے نکاح جائز ہے لیکن انھیں اندیشہ تھا کہ اس پر عمل ہو تو ان کی صالح عورتیں ہی نہیں ان کی غلط کار عورتیں بھی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی۔ اس اندیشہ کی بنیادیں غالباً دو تھیں۔ ایک یہ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھے۔ اس حالت میں ان سے ازدواجی رشتے مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا سبب بن سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے عفیف اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ شاید یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس کی معلومات کا کوئی اطمینان بخش ذریعہ نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی بات صحیح ہے کہ وہ اصولاً کتابیات سے نکاح کے جواز کے قائل تھے لیکن مسلم معاشرہ میں اس کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔

احصان کی صفت اور اس کا مفہوم

مسلمان عورتیں ہوں یا اہل کتاب کی عورتیں ان سے نکاح کے لیے ان میں احصان کی صفت پائی جانی چاہیے۔ جن عورتوں میں یہ صفت پائی جائے انھیں محصنات کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ کی یہ آیت پہلے گزر چکی ہے جس میں کہا گیا ہے:

---

[۱] طبری، جامع البیان: ۴/۳۶۶۔۳۶۷۔ ان روایات پر یہی تبصرہ ابن عطیہ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/۶۸۔

.... والمحصنات من المؤمنت	(تمہارے لیے حلال ہیں) اہل ایمان کی
والمحصنات من الذین اوتوا	پاک دامن عورتیں اوران لوگوں کی
الکتاب من قبلکم	پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے
(المائدہ: ۵)	کتاب دی گئی۔

احصان کے اندر عفت وعصمت اوراپنے آپ کو بدکاری سے بچانے کا مفہوم ہے[۱] حصن قلعہ کو کہا جاتا ہے اس میں آدمی پناہ لیتا اور محفوظ ہو جاتا ہے[۲] محصنات شادی شدہ عورتوں کو بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ شادی کے بعد ان کی عفت کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ جن عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا ان میں 'محصنات' (النساء: ۲۴) بھی ہیں۔ یعنی وہ عورتیں جو کسی کے حبالۂ عقد میں ہوں۔

محصنہ آزاد عورت کو بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی عزت و شرافت کی وجہ سے بدکاری نہیں کرے گی۔

چونکہ محصنات کا لفظ دونوں معنوں میں آتا ہے، اس لیے بعض حضرات نے یہاں اس سے آزاد عورتیں مراد لی ہیں اور بعض کے نزدیک یہاں یہ لفظ پاک دامن عورتوں کے لیے آیا ہے[۳]

علامہ ابن جریر طبری نے دونوں طرح کے اقوال جمع کر دئے ہیں اور ان سے جو نتائج نکلتے ہیں انھیں بھی بیان کر دیا ہے۔

جن اصحاب نے 'محصنات' سے آزاد عورتیں مراد لی ہیں۔ ان کے نزدیک اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتا ہے، چاہے ان کا تعلق دارالحرب سے ہو یا وہ ذمی ہوں، اور یہود و نصاریٰ کے کسی بھی طبقہ سے وابستہ ہوں۔ چنانچہ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے

---

[۱] زمخشری کہتے ہیں۔ الاحصان العفۃ وتحصین النفس من الوقوع فی الحرام، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۱۸
[۲] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۵/۱۲۰
[۳] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۱۸
[۴] زمخشری نے دونوں معنی ایک ساتھ بیان کر دئے ہیں۔ (المحصنات) الحرائر اوالعفائف۔ الکشاف: ۱/۵۹۵

تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے، پھر بھی اس نے اس رشتہ کو جائز قرار دیا ہے[1]

جو حضرات اس نقطۂ نظر کے قائل ہیں ان کے نزدیک اگر کسی آزاد عورت سے بدکاری ہوئی بھی ہے اور اس نے توبہ کرلی ہے تو اس سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی تائید میں بعض آثار بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ البتہ سورۂ نساء آیت ۲۵ کی روشنی میں کسی باندی سے نکاح کے لیے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے[2]

جن لوگوں نے 'احصان' سے عفت و عصمت مراد لی ہے ان کے نزدیک مسلمان عورت ہو یا کتابیہ اس کا باعفت ہونا ضروری ہے۔ کسی بدکار عورت سے مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ یہ عامر بن ربیع، شعبی، سدی اور حضرت ابوسفیان کی رائے ہے۔

بعض حضرات نے اس میں آزاد عورت اور باندی کا بھی فرق نہیں کیا ہے۔ اگر عورت باعفت ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کتابیہ، آزاد ہو یا باندی، محارب قوم سے ہو یا ذمی سب سے نکاح جائز ہے[3]

علامہ ابن جریر طبری نے یہ سب رائیں نقل کی ہیں اور خود اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں[4] لیکن عام طور پر مفسرین نے عفت و عصمت ہی کے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔

احصان کے معنی میں گو یہ اختلاف ہے لیکن احصان کی شرط کے ساتھ کتابیات سے نکاح کے جواز پر امت کا تقریباً اتفاق ہے۔ اس کے ساتھ عام حالات میں فقہاء نے اسے ناپسند کیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی رائے کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،

روی عن عمر انہ کان یامر بالتنزہ عنھن من غیر ان یحرمھن[5]	روایت ہے کہ حضرت عمرؓ انھیں حرام قرار دیے بغیر ان سے بچنے اور دور رہنے کا حکم دیتے تھے۔

---

[1] طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۹/ ۵۸۷ [2] حوالہ سابق ص ۵۸۲-۵۸۴

[3] حوالہ سابق ص ۵۸۷ [4] حوالہ سابق ص ۵۸۸، ۵۸۹ [5] ابن حجر، فتح الباری: ۹/ ۴۱۷

عطاء بن ابی رباح کے بارے میں آتا ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کو ناپسند کرتے اور فرماتے تھے کہ اس کی اجازت اس وقت دی گئی تھی جب کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق حالات سے ہے۔ کبھی اس کا جواز بلا کراہت ہوگا اور کبھی اس میں کراہت ہوگی۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ آج کے حالات میں مسلمانوں کو اس معاملہ میں اجازت ہے[1]

ہدایہ میں قدوری کی عبارت ہے۔

ویجوز تزویج الکتابیات — کتابیات سے نکاح کرنا جائز ہے۔

اس پر ہدایہ کے شارح ابن الہمام لکھتے ہیں:

والاولیٰ ان لایفعل[2] — بہتر یہ ہے کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

دلائل سے تو کتابیات سے نکاح کا جواز ثابت ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ کتابیہ سے نکاح نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا تھا چنانچہ جن صحابہ نے کتابیات سے نکاح کیا انھوں نے (ان میں سے بعض نے) طلاق دے دی۔ پھر یہ کہ اس میں اندیشہ ہے کہ آدمی کا اس کی طرف اس قدر رجحان بڑھ جائے کہ وہ اس کے لیے فتنہ بن جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو بچہ پیدا ہو اس کا میلان باپ کی جگہ ماں کی طرف ہو[3]

ذمی اور حربی کے درمیان فرق ہے

فقہاء نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کے فرق کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ کتابیہ اگر ذمی ہے تو اس کی حیثیت اور ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اسلامی ریاست کی شہری ہوتی ہے لیکن اگر وہ حربی ہے یعنی اس کا

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۹/ ۲۱۷

[2] ابن الہمام، فتح القدیر: ۲/ ۳۷۲

[3] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۵۹۰

تعلق محارب قوم سے ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے نکاح مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اس بنیاد پر علامہ قرطبی کہتے ہیں:

واما نکاح اھل الکتاب	اہلِ کتاب اگر محارب ہیں تو ان کی
اذا کانو احربا فلا یحل [1]	عورتوں سے نکاح حلال نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (احناف) اسے مکروہ سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا منشا بھی یہی ہو (اس لیے کہ دلائل کی بنیاد پر اسے ناجائز یا حرام نہیں کہا جا سکتا) حضرت علیؓ سے بھی کراہت ہی منقول ہے[2]

علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ کتابیہ اگر حربیہ ہے تو امت کا اتفاق ہے کہ اس سے نکاح مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں امکان ہے کہ آدمی بیوی کی محبت میں دارالحرب میں رہ پڑے۔ اس سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ پھر اولاد کی تربیت کا بھی سوال ہے۔ ماں کی تقلید میں وہ غیر اسلامی آداب و اطوار اختیار کر سکتی ہے[3]

علامہ ابن جریر طبری اس معاملہ میں ذمی اور حربی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے نکاح کیا جائے اسے ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں آدمی کو اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ اس کی اولاد کفر پر مجبور کی جائے گی[4]

اس بحث میں علماء نے اپنے دور کے مخصوص حالات کے پس منظر میں ذمی اور حربی، آزاد، غلام اور باندی کا جو ذکر کیا ہے اور ان کے احکام بیان کیے ہیں موجودہ حالات میں ان میں سے بعض باتیں غیر متعلق ہو چکی ہیں۔ لیکن ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح کا گو جواز ہے لیکن اس اجازت سے فائدہ اٹھانے سے پہلے آدمی کو بہت احتیاط سے اپنے ذاتی حالات اور ملی مفادات کا جائزہ لینا ہوگا۔ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا جو دینی پہلو سے

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳ / ۶۹

[2] حرمت اور کراہت کے دلائل پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ جصاص، احکام القرآن: ۱/ ۳۹۲ - ۳۹۶

[3] ابن الہمام، فتح القدیر: ۲ / ۳۷۲

[4] طبری، جامع البیان: ۹ / ۵۸۶

اس کے لیے ضرر رساں ثابت ہو۔ جہاں اس پہلو سے اسے اطمینان ہو وہاں اسے اس جواز سے فائدہ اٹھانے سے منع بھی نہیں کیا جا سکتا۔

غیر اہل کتاب کا حکم

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا گیا ہے۔ اس کا ثبوت بہت سی آیات سے ملتا ہے ایک جگہ قرآن مجید کے نزول کی ضرورت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ	تاکہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے
عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَاِنۡ	دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی تھی
كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ	اور بے شک ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے
(الانعام: ۱۵۶)	بے خبر تھے۔

اہل کتاب میں یہود و نصاریٰ کے تمام فرقے شامل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اور بھی اہل کتاب کے حکم میں آتے ہیں؟ ہمارے علماء نے اس پر بحث کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ امام شافعی کے نزدیک اگر کچھ لوگ صحف ابراہیم، صحف شیث یا حضرت داوٗد کی زبور پر ایمان رکھتے ہیں تو ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ لیکن ایک دوسری رائے یہ ہے کہ جن لوگوں کا کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان و یقین ہے وہ اہل کتاب سمجھے جائیں گے۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح ہو سکتا ہے[۱]

فقہ حنفی میں بھی ایسے لوگوں کو اہل کتاب مان کر ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے[۲]

۲۔ مجوس کے بارے میں داوٗد ظاہری اور ابو ثور کی رائے یہ ہے کہ ان کے پاس بھی آسمانی کتاب تھی۔ اس سلسلے میں ایک روایت بھی حضرت علی سے بیان کی جاتی ہے کہ ان کا بادشاہ ایک مرتبہ مدہوشی کے عالم میں اپنی ماں یا بیٹی سے ہم بستری کر بیٹھا۔ جب اہل مملکت نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا میرا دین حضرت آدم کا دین ہے وہ اپنے لڑکوں کی اپنی لڑکیوں سے شادی کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور جنھوں نے مخالفت کی انھیں ختم کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آسمانی کتاب ان کے درمیان سے اٹھائی گئی اور اہل علم کے سینوں سے وہ محو ہو گئی۔

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۵۹۱ ۲۔ ابن الہمام: فتح القدیر: ۲/ ۳۷۲

یہ حدیث سند کے لحاظ سے کم زور ہے[۱] تھوڑی دیر کے لیے اس کی سند سے صرفِ نظر کر بھی لی جائے تو جیسا کہ علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ جب ان کی کتاب دنیا سے اٹھ گئی اور ان کے عقائد وہی ہو گئے جو مشرکین کے ہیں تو ان کا شمار مشرکین ہی میں ہوگا۔[۲]

مجوس کے بارے میں اس حدیث کے برعکس ایک دوسری حدیث مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سُنّوبهم سُنّةَ اهل الكتاب	ان کے ساتھ اہل کتاب کا طریقہ اختیار
غير ناكحي نسائهم ولا آكلي	کرو، البتہ نہ تو ان کی عورتوں سے نکاح کرو
ذبائحهم[۳]	اور نہ ان کا ذبیحہ استعمال کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجوس اہل کتاب نہیں ہیں۔ البتہ بعض معاملات میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ روایت کا پس منظر بتاتا ہے کہ اس کا تعلق جزیہ سے ہے۔ جہاں تک ان کی عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کا ذبیحہ استعمال کرنے کا تعلق ہے اس سے صاف الفاظ میں منع کر دیا گیا ہے۔

زمخشری کہتے ہیں جزیہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو اہل کتاب کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ لیکن ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کو حلال نہیں قرار دیا گیا۔[۴]

---

[۱] زیلعی، نصب الرایہ : ۳/ ۴۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ، المغنی : ۶/ ۵۹۱

[۲] ابن الہمام : فتح القدیر : ۲/ ۳۷۳

[۳] یہ حدیث ہدایہ میں نقل ہوئی ہے۔ ہدایہ مع فتح القدیر : ۲/ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے لیکن سب میں ضعف ہے۔ موطا میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت میں صرف سنّوا بہم سنۃ اہل الکتاب، کے الفاظ ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ، باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس یعنی ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے زیلعی، نصب الرایہ : ۳/ ۱۷۱۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۴۴۹ - ۴۴۸۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی طرح ان سے جزیہ لیا جائے گا اور ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے۔ اس کے لیے یہ حدیث سامنے تھی۔ یہ اسی سیاق میں آئی ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ان پر اہل کتاب کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

[۴] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل : ۱/ ۵۹۵

ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ حضرت حذیفہ کی ایک باندی مجوسی تھی[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے ایک مجوسی عورت سے شادی کی تھی۔ امام احمد نے اس پر جرح کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے انھوں نے ایک یہودی عورت سے شادی کی تھی۔ علاوہ ازیں بقول علامہ ابن قدامہ قرآن شریف کے صاف حکم اور تمام اصحاب علم کی رائے کے خلاف ایک صحابی کے عمل کو قبول نہیں کیا جا سکتا ہے[2]

حضرت سعید بن مسیب کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان مریض کے حکم سے مجوسی بسم اللہ کہہ کر جانور ذبح کر دے تو یہ حلال ہوگا۔ ابوثور کہتے ہیں کہ اس کے لیے مریض ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک مسلمان حالت صحت میں بھی مجوسی سے اس طرح ذبح کرائے تو وہ حلال ہوگا۔ البتہ کسی مسلمان کا یہ عمل برا سمجھا جائے گا[3]

یہ سب شاذ روایتیں ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک مجوس کا شمار مشرکین میں ہوتا ہے۔ ان کی عورتیں مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہیں[4]

صابئہ کے بارے میں مفسرین اور فقہاء کے درمیان کافی اختلافات ہیں۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ کیا وہ اہل کتاب کا کوئی فرقہ ہیں۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کا تعلق نصاریٰ سے ہے یا یہود سے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ اصول میں تو اہل کتاب سے اتفاق رکھتے ہیں لیکن تفصیلات میں ان کا اختلاف ہے۔ اگر انھیں یہود و نصاریٰ کا کوئی فرقہ تسلیم کیا جائے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوں گے ورنہ نہیں[5]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ کسی نبی پر ایمان رکھتے ہیں اور آسمانی کتاب کو مانتے ہیں تو ان کا حکم اہل کتاب کا ہوگا۔ لیکن اگر وہ ستارہ پرست ہیں تو غیر اہل کتاب سمجھے جائیں گے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے، لیکن امام ابویوسف اور امام احمد کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک طبقہ گو زبور پڑھتا ہے لیکن فرشتوں کی پرستش کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ کسی آسمانی کتاب ہی کا

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۹/۱۷ام [2] ابن قدامہ، المغنی: ۶/۵۹۲

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۹۵

[4] ملاحظہ ہو، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/۷۰-۷۱۔ ابن الہمام: فتح القدیر: ۲/۳۷۳

ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۵۹۱ [5] بخاری، مع فتح الباری: ۱/۴۴۸، ۴۵۴۔ ابن قدامہ، المغنی: ۶/۵۹۱

قائل نہیں ہے اور وہ ستارہ پرست ہے[۱]

بہر حال صابئہ کے بارے میں فقہ میں کوئی قطعی رائے نہیں ملتی[۲]

جہاں تک بت پرست، آفتاب پرست، ستارہ پرست، تصویر پرست اور اس طرح کی مشرک قوموں کا تعلق ہے ان کی عورتیں مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہیں۔ یہ نص قرآنی اور اجماع سے ثابت ہے[۳]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

وسائر الکفار غیر اهل الکتاب	اہل کتاب کے سوا تمام کفار جیسے کوئی
کمن عبد ما استحسن من	اپنے پسندیدہ بتوں کی، پتھروں کی، درختوں
الاصنام والاحجار والشجر	کی اور حیوان کی عبادت کرے تو اہل علم
والحیوان فلاخلاف بین	کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں
اهل العلم فی تحریم نسائهم	ہے کہ ان کی عورتیں اور ان کے ذبائح
وذبائحهم[۴]	حلال نہیں ہیں۔

ان تفصیلات کی روشنی میں موجودہ دور کی اقوام کے بارے میں فیصلہ کرنا کچھ زیادہ دشوار نہیں ہے۔

---

[۱] ابن الہمام، فتح القدیر: ۲/۳۷۴۔ نیز دیکھی جائے زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۹۵

[۲] صابئہ پر راقم نے ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کی اشاعت کی اب تک نوبت نہیں آسکی ہے۔

[۳] علامہ ابن الہمام نے اس ذیل میں بعض مسلم فرقوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ فتح القدیر: ۲/۳۷۴ اس وقت اس بحث کی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی ہے۔

[۴] ابن قدامہ، المغنی: ۶/۵۹۲

کچھ ادارہ کے بارے میں

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی نے عہد حاضر کے جن مسائل وموضوعات پر تصانیف پیش کی ہیں ان کی ضرورت واہمیت چنداں محتاج تعارف نہیں ہے۔ حال ہی میں اس کی بعض تصانیف انگریزی میں بھی منتقل ہوئی ہیں۔ اسلام میں خدمت خلق کا تصور کے انگریزی ترجمہ کا اس سے پہلے ذکر آچکا ہے یہ The Concept of Social Service in Islam. کے نام سے شائع ہوا ہے۔ "مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ" ابھی حال میں The Rights of Muslim Women An Apprisal. کے نام سے اور مسلم خواتین کی ذمہ داریاں Muslim

Woman: Role & Responsebilities. کے نام سے شائع ہوئی ہیں متوسلین ادارہ کی دیگر تصانیف بھی انگریزی یا ہندی ترجمہ کے مرحلے سے گزر رہی ہیں۔

ادارہ سے وابستگان نے بعض نئے موضوعات پر ایسی کتابیں تیار کی ہیں جو وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرنے والی ہیں۔ کثیر المذاہب سماج میں غیر مسلموں سے اہل اسلام کے تعلقات کا مسئلہ کافی اہم ہے۔ مولانا سید جلال الدین عمری کی تازہ ترین تصنیف غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلام اسی مسئلہ کے مختلف گوشوں پر سیر حاصل اور اطمینان بخش روشنی ڈالتی ہے۔

مذاہب کو عام طور پر جامد فکر و رائے کی آزادی کا مخالف / روایت پسند اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اپنی تازہ تصنیف میں آزادی فکر و رائے کے بارے میں اسلام کے موقف کو پیش کیا۔ آج کی دنیا رسل و رسائل کی تیز رفتاری کی وجہ سے بہت مختصر ہوگئی ہے ایسے میں عالمی سطح پر دو بڑے مذاہب یہودیت اور نصرانیت کا مطالعہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے ان دونوں اقوام کی جو تصویر پیش کی اس کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و سبق کا کیا سامان ہے؟

یہ تمام تصانیف ابھی زیور طباعت سے اس لیے آراستہ نہیں ہوسکیں کہ ان کی طباعت کے لیے کثیر رقم درکار ہوگی جس کا انتظام ادارہ کے لیے دشوار ہو رہا ہے۔ دین کی اشاعت و خدمت کا جذبہ رکھنے اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھنے والے مخیر حضرات اگر اس کی طرف توجہ فرمائیں تو ان کی طباعت و اشاعت کا مسئلہ آسان ہوسکتا ہے اور یہ قیمتی تصانیف جلد از جلد ضرورت مندوں کے ہاتھوں تک پہنچ سکتی ہیں۔

جو احباب تعاون کرنا چاہیں وہ کتاب کے نام کی صراحت کے ساتھ یا محض طباعت کی مد میں اپنی رقوم درج ذیل پتے پر بھیج کر عند اللہ ماجور ہوں۔

IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI

PAN WALI KOTHI, DODHPUR, ALIGARH-202001 Ph. 402958

نوٹ: ڈرافٹ کے لیے خط کشیدہ نام ہی کافی ہے۔

(منیجر)